عصری تعلیم ـــــــــــ اسلامی نقطۂ نظر

مولانا سیف اللہ خالد رحمانی

آج کل ہم مسلمانوں میں بھی تعلیم کی نسبت سے دینی تعلیم اور دنیوی تعلیم کی اصطلاح قائم ہوگئی ہے، قرآن وحدیث کی تعلیم کو دینی تعلیم تصور کیا جاتا ہے اور عصری علوم کے سیکھنے سکھانے کو دنیوی تعلیم کہا جاتا ہے، حالاں کہ اسلام نے علم کی ایسی کوئی تقسیم نہیں کی ہے، بلکہ علم کی دو ہی قسمیں کی گئی ہیں، ''علم نافع'' اور ''علم غیر نافع'' جو علم انسانیت کے لیے مفید اور کارآمد ہو وہ ''علم نافع'' ہے اور جو علم انسانیت کے لیے نافع ہونے کے بجائے نقصان رساں ہو اور تعمیر کے بجائے تخریب کی طرف لے جاتا ہو وہ ''علم غیر نافع'' ہے، آپ ﷺ نے علم نافع کی دعا مانگی ہے اور علم غیر نافع سے پناہ چاہی ہے۔

میڈیکل تعلیم ہو، انجینئرنگ کا فن ہو، یا تکنیکی تعلیم کے دوسرے شعبے ہوں، یہ سب انسانی خدمت اور انسانیت کی فلاح و بہبود کے ذرائع ہیں اور یقیناً یہ علم نافع کی فہرست میں آتے ہیں، ان کا حاصل کرنا قابل تعریف ہے نہ کہ لائق مذمت، اسی لیے امام شافعیؒ سے منقول ہے کہ اصل علم دو ہی ہیں: ایک علم فقہ تا کہ آدمی زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سیکھے، دوسرے فن طبابت تاکہ جسم انسانی کی بابت معلومات حاصل ہو سکے۔ ''العلم علمان: علم الفقه للأديان، وعلم الطب للأبدان'' (مفتاح السعادۃ: ص:۳۰۳) حضرت علیؓ نے ریاضی اور بعض اور فنون کا بھی ذکر کیا ہے۔ (حوالہ سابق)

اسلام نہ کسی علم کا مخالف ہے اور نہ کسی زبان کا، قرآن مجید نے کتنے ہی ایسے حقائق پر روشنی ڈالی ہے، جن کا تعلق فلکیات، طبعیات اور حیوانات کے علوم سے ہے، خود انسان کی اندرونی جسمانی کیفیات، اس کی مرحلہ وار پیدائش اور اس کی نفسیات کا بھی بار بار تذکرہ کیا گیا ہے۔ گزشتہ اقوام کے قصص و واقعات ذکر کیے گئے ہیں، ان کی آبادی اور ان پر ہونے والے عذاب خداوندی کے محل وقوع کی طرف اشارے کیے گئے ہیں اور پھر ان تمام چیزوں میں غور و فکر اور تدبر کی دعوت دی گئی ہے، ظاہر ہے کہ یہ تدبر ان علوم کی تحصیل کے بغیر کیوں کر ممکن ہوگا؟ اور ان کو حاصل کیے بغیر کیسے ان میں تفکر کا حق ادا کیا جا سکتا ہے؟

پس ان علوم کو حاصل کرنا، جن سے کائنات کے اسرار و رموز کو جانا جاسکے، قرآن مجید کا عین مطلوب ہے، چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے زمانے میں دوسری اقوام سے جو جدید تکنیک حاصل ہوسکتی تھی، اس میں کسی بخل سے کام نہیں لیا اور اس کو کبھی تقاضۂ دین کے منافی تصور نہیں فرمایا، مدینہ کے لوگ زراعت پیشہ تھے اور اسلام سے پہلے کھجور کے نر اور مادہ درخت میں اختلاط کی ایک خاص صورت اختیار کرتے تھے، جس کو ''تابیر'' کہا جاتا تھا، آپ ﷺ نے ابتدا سے، اسے بے فائدہ اور فضول عمل تصور کرتے ہوئے اس سے منع فرمادیا، لیکن جب اس سال پیداوار کم ہوئی اور لوگوں نے آپ سے اس کا ذکر کیا، تو آپ ﷺ نے اپنی رائے پر اصرار نہیں فرمایا اور آئندہ ایسا کرنے کی اجازت دیتے ہوئے کہا کہ تم اپنے دنیا کے امور کے بارے میں زیادہ واقف ہو۔ ''انتم اعلم بامور دنیاکم'' (مسند احمد:۱۲۳۶)

آپ ﷺ نے بعض غزوات میں منجنیق کا استعمال فرمایا، یہ گویا اس زمانے کی توپ تھی، جس کے ذریعے پتھر کی چٹانیں دور سے دشمن کے قلعوں اور فصیلوں پر پھینکی جاسکتی تھی، فتح مکہ کے بعد جب بنوثقیف پر فوج کشی کی تو بنوثقیف کی ماہرانہ تیر اندازی نے مجاہدین کو بڑی دشواری میں ڈال دیا، اس موقعہ پر آپ ﷺ نے ایسی گاڑیاں بنوائیں، جس کے اوپر چمڑے کا غلاف ڈالا گیا، تاکہ دشمن کے تیر چمڑے میں پھنس کر رہ جائیں اور مجاہدین قلعہ کی فصیل تک نہ پہنچ سکیں، غزوۂ خندق کا واقعہ تو مشہور ہی ہے کہ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر آپ ﷺ نے میدان جنگ کی پشت پر پہاڑیوں کو رکھتے ہوئے آگے کی سمت سے طویل و عریض خندق کھدوائی، یہ عربوں کے لیے بالکل نیا تجربہ تھا اور اس حسن تدبیر کے نتیجے میں اعداء اسلام کی متحدہ قوت (جو تقریباً بیس ہزار افراد پر مشتمل تھی) خاسر و ناکام واپس ہوئی اور اسلام کا ایسا رعب قائم ہوا کہ پھر کبھی اہل مکہ کو مدینہ کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ ہوئی۔

اسی لیے اسلامی عہد میں قدیم سائنسی علوم کو نہ صرف قبول کیا گیا، بلکہ ان علوم کا ترجمہ اور ان پر مزید ریسرچ اور تحقیق کو جاری رکھنے کے لیے دارالخلافہ بغداد میں ''بیت الحکمت'' کا قیام عمل میں آیا اور مسلمان سائنس دانوں نے وہ کارہائے نمایاں انجام دیے کہ علم وفن کی تاریخ ان کے ذکر کے بغیر ادھوری اور نا تمام رہے گی، چنانچہ خود منصف مزاج اور حقیقت پسند مغربی مصنفین نے بھی مسلمانوں کے اس علمی اور تحقیقی کارنامے کا اعتراف کیا ہے اور اسے خراج تحسین پیش کیا ہے۔

یہی حال لغت اور زبان کا ہے، زبان کوئی بھی اچھی اور بری نہیں ہوتی، زبان تو محض ذریعۂ اظہار ہے، اگر اس کا استعمال خیر اور نیکی کی تبلیغ و اشاعت کے لیے ہو تو قابل تعریف اور لائق ستائش ہے۔ زبان خواہ کوئی بھی ہو، اگر اس کو برائی کی دعوت و اشاعت کا وسیلہ بنالیا گیا، تو اس سے زیادہ نامبارک بات کوئی نہیں ہوسکتی، عربی زبان، قرآن و حدیث کی زبان ہے اور آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہی اہل جنت کی زبان ہوگی، لیکن اسی زبان میں بعض ایسی اسلام دشمن اور اخلاق دشمن تحریریں وجود میں آئیں کہ جن سے شاید شیطان کو بھی شرم آتی ہوگی۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ تمام زبانیں اللہ کی پیدا کی ہوئی ہیں، قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر قوم میں ان ہی کی زبان میں اپنا کلام نازل فرمایا ہے، تو نہ معلوم کتنی زبانیں ہیں، جن کو اللہ کے کلام کے حامل ہونے کا شرف حاصل ہے، اس لیے کسی مسلمان کے لیے یہ بات ممکن نہیں کہ وہ کسی بھی زبان کو بحیثیت زبان برا تصور کرے اور ان کو سیکھنے سکھانے کو بد دینی اور گمراہی سمجھے، آپ ﷺ نے اپنے ایک ذہین رفیق حضرت زید بن ثابتؓ کو باضابطہ عبرانی زبان سیکھنے کی ترغیب دی تھی، جسے بہت کم عرصے میں انہوں نے سیکھا اور اس زبان کے سمجھنے اور سمجھانے کے لائق ہوئے، بلکہ کہا جاتا ہے کہ وہ چھ زبانوں سے واقف تھے۔ حضرت سلمان فارسیؓ زبان سے واقف تھے، حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے میں بھی بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ کسی قدر فارسی میں بھی گفتگو کر لیتے تھے۔

نہ جانے کہاں سے یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ علما جدید علوم اور انگریزی زبان کے حاصل کرنے کو منع کرتے ہیں، یا یہ کہ کسی زمانے میں انہوں نے اس سے منع کیا تھا، یہ محض غلط فہمی، بلکہ بہت بڑا مغالطہ ہے، علما نے کبھی اس کی مخالفت نہیں کی، مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے جب دیوبند میں دارالعلوم کی بنیاد رکھی تو سنسکرت زبان کو بھی داخل نصاب فرمایا، سنسکرت زبان میں مشرکانہ محاورات وتعبیرات زیادہ ہیں، یہ بات کیوں کر سوچی جاسکتی ہے کہ مولانا نانوتویؒ سنسکرت زبان کے مخالف نہ ہوں اور انگریزی زبان کے مخالف ہوں، دیوبند کے نصاب میں شروع ہی سے انگریزی، جیومیٹری اور فلسفہ داخلِ نصاب رہا۔

مسلم یونیورسٹی علی گڑھ کے بعد ہندوستان میں مسلمانوں کی دوسری عصری درس گاہ جامعہ ملیہ ہے، شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ نے اس کی بنیاد رکھی، اس کے افتتاح میں نہایت بلیغ خطبۂ صدارت ارشاد فرمایا اور اس یونیورسٹی کے قیام کی ستائش کی۔ دارالعلوم ندوۃ العلما کی بنیاد ہی اسی نقطۂ نظر کے تحت پڑی کہ دینی تعلیم کے ساتھ عصری علوم کا بھی ایک متوازن حصہ شریک نصاب رکھا جائے، مولانا اشرف علی تھانویؒ نے تو انگریزی زبان کے حصول کو فرض کفایہ قرار دیا ہے، مولانا نانوتویؒ کی جب ایک انگریز سے اسلام کے بارے میں ترجمان کے واسطے سے گفتگو ہوئی اور آپ نے محسوس کیا کہ وہ آپ کی ترجمانی کا حق ادا نہیں کر پا رہا ہے تو آپ کو اس پر بڑا افسوس ہوا اور اس وقت آپ نے اس ضرورت کا احساس فرمایا کہ فی زمانہ علما اور مبلغین اسلام کے لیے انگریزی زبان سے واقفیت بھی ضروری ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ علما نے کبھی بھی انگریزی زبان اور عصری علوم کی مخالفت نہیں کی، ہاں یہ ضرور ہے کہ ہندوستان میں بعض ایسی شخصیتیں عصری تعلیم کا جھنڈا لے کر اٹھیں، جو گو اسلام اور مسلمانوں کے تئیں مخلص تھے، لیکن جیسا کہ عام طور پر مفتوح قومیں فاتحین کے سامنے، نہ صرف مادی اور فوجی اعتبار سے، بلکہ فکری اور ثقافتی اعتبار سے بھی سپر انداز ہو جاتی ہیں اور احساس مرعوبیت سے مرعوب ہو کر فاتحین کے افکار اور ان کی تہذیب وثقافت کو بھی رشک وتحسین کی نگاہ سے

دیکھنے لگتی ہیں، اسی طرح انہوں نے بھی مغرب سے آنے والی ہر چیز پر لبیک کہنا شروع کیا، علما کو اس انداز فکر سے اختلاف تھا، نہ کہ عصری تعلیم اور اس درس گاہ سے، جہاں تک ان مدارس کی بات ہے، جہاں خالص اسلامی علوم وفنون پڑھائے جاتے ہیں، تو وہاں پوری طرح عصری علوم کو شامل نصاب کرنا طلبہ کو بیک وقت دونوں علوم سے محروم کر دینے کے مترادف ہوگا، اسلام ایک زندہ مذہب ہے اور اسلامی علوم وفنون کی کم از کم تعداد چودہ پندرہ تو ہے ہی، پھر ان میں سے ہر فن کی مختلف اور متعدد شاخیں ہیں، ان سب کا حق ادا کرتے ہوئے عصری علوم کو بھی بہ کمال وتمام شامل نصاب رکھنا عملاً ایک ناممکن امر ہے، اسی لیے ان مدارس کے نصاب میں عصری علوم کا حصہ کم رکھا گیا ہے، لیکن اس کا ہرگز یہ مطلب نہیں کہ علما اور دینی جامعات عصری تعلیم کی مخالف ہیں۔

اس وقت اس بات کی بڑی ضرورت ہے کہ مسلمان اعلیٰ فنی تعلیم کی طرف توجہ دیں اور کوشش کریں کہ ہمارے سماج میں کوئی بچہ تعلیم سے محروم رہنے نہ پائے، تعلیمی سروے سے یہ بات ظاہر ہے کہ پرائمری سے ہائی اسکول تک پہنچتے پہنچتے مسلمان بچوں کی بڑی تعداد تعلیم چھوڑ دیتی ہے، کالج تک جو تعداد پہنچ پاتی ہے، ان کا تناسب اور بھی کم ہوتا ہے اور ظاہر ہے کہ اعلیٰ تعلیم اور مسابقتی امتحان تک ان کا تناسب ناقابل شمار حد تک کم ہو جاتا ہے، یقیناً ان میں سے بہت سے بچے ذہین وذکی ہوتے ہوں گے اور محض اقتصادی حالات کی وجہ سے انہیں ترکِ تعلیم کرنا پڑتا ہوگا، آپ کسی بھی بڑے شہر میں چلے جائیں، وہاں کے ہوٹلوں میں معمولی درجے کا کام کرنے والے چھوٹے چھوٹے بچوں کو دیکھیں، ان کی آنکھوں میں ذہانت جھانکتی ہوگی اور ان کی پیشانیوں پر فراست کی چمک ہوگی، لیکن معاشی حالات نے ان کے پاؤں تھام لیے ہیں اور وہ اس بات پر مجبور ہیں کہ برتن دھو کر اور جھاڑو دے کر اپنا اور اپنے گھر والوں کا پیٹ بھریں۔

بدقسمتی سے جو عصری ادارے مسلمانوں کی طرف منسوب ہیں اور ان کو مسلم ادارہ سمجھا جاتا ہے، وہ عام طور پر تعلیم کو ایک مقدس قومی فریضہ سمجھنے کی بجائے ایک ایسی ''تجارت'' کا تصور رکھتے ہیں جو کم خرچ میں زیادہ سے زیادہ اور جلد سے جلد نفع حاصل کرنے کے اصول پر مبنی ہے، غریبوں پر ان اداروں کا دروازہ بند ہے اور ان ہی لوگوں کے لیے یہاں حصول تعلیم کی گنجائش ہے، جو خطیر اور کثیر رقم خرچ کر کے تعلیم حاصل کر سکتے ہیں، کاش، قوم کا ہر فرد پوری امت کو ایک خاندان اور کنبہ تصور کرنے کو تیار ہو، قوم کے بچوں کی جہالت اور تعلیم سے محرومی ان کو اسی طرح بے چین کر دے، جیسے خود اپنے بچوں کی جہالت اور آج کے ''تاجران علم'' اس بات کا احساس کریں کہ تعلیم ایک عبادت ہے نہ کہ تجارت۔

☆☆☆